امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بنیادی اصول

احمد حماد بن حافظ عبدالستار حماد*

ABSTRACT

"Invite (all) to the Way of thy Lord with wisdom and beautiful preaching; and argue with them in ways that are best and most gracious: for thy Lord knoweth best, who have strayed from His Path, and who receive guidance." (Al-Nhal:125)

From the above verse alone it can be understood that daw'ah (inviting people to Islam) is very important in the house of Islam. The verse strongly encourages Muslims to propagate Islam to Muslims and non-Muslims. The verse also informs: Muslims should do daw'ah with wisdom and attractive preaching, not by methods which make what is being preached uninteresting and boring. It is only become possible when we get guide lines from the basic sources of shari'ah (Qura'n and Sunn'ah), and follow the principles in this regard. Also it should be noticed that is not up to the Da'ii to convert the non-Muslims (that is only up to Allah) but Muslims should at least try to convey the message of Islam as guided by the Holy Qura'n and Prophet Muhammad(PBUH).

نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اسلام کے اہم اور بنیادی فرائض میں سے ہے۔اوراس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی معاشرے کی اصلاح، بھلائی اور ترقی کا دارومدار اسی چیز پر ہے کہ اس معاشرے کے افراد کس حد تک اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں، کیونکہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہی معاشرۃ ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے۔ اور اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت اور معاشرے کے افراد کی ان تعلیمات سے آگاہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے ہی ممکن ہے، اوراسی اہم فریضہ کی بناء پر امت محمدیہ کو تمام سابقہ امم سے بہترین امت کا لقب ملا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۱)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہو کیونکہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔''

قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بہت زیادہ اہمیت اوراس کے بہت سارے فوائد ذکر کیے گئے ہیں:

* ریسرچ انویسٹی گیٹر، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، پاکستان   برقی پتا:ah3316@gmail.com
تاریخ موصولہ: ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء

۱۔مؤمنین کے درمیان محبت ومودت کے رشتے کی بنیاد:

قرآن کریم نے مومنوں کی صفات اوران کے باہمی رشتے کی بنیاد ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۲)

''مومن مرداورمومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (مددگاراور) دوست ہیں' کیونکہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔''

۲۔نصرت الٰہی کا ذریعہ:

دعوت حق' داعیان حق اورمومنین کے لیے دشمنان اسلام پراللہ کی نصرت اورمدد کا بہترین ذریعہ ہے' چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ٥ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (۳)

''اور جواللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور بڑے غلبے والا ہے' یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں غلبہ عطا کریں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اورزکوٰۃ دیں اوراچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔''

۳۔امن اورسلامتی کا حصول:

امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے معاشرہ امن اورسکون کی آماجگاہ بن جاتا ہے اورلوگوں کے درمیان خوشحالی کی فضا قائم ہوتی ہے' چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مثل القائم علي حدود الله والواقع فيها كمثل قوم استهموا علي سفينة‘فأصاب بعضهم أعلاها‘وبعضهم اسفلها‘فكان الذين فى أسفلها اذا استقوا من الماء مروا علي من فوقهم‘ فقالوا لو أنا خرقنافى نصيبناخرقاولم نؤذ من فوقنا‘ فان يتركوهم وما ارادوا هلكوا جميعا‘ وان أخذوا علي أيديهم نجوا ونجوا جميعا (۴)

''اس قوم کی مثال جواللہ کی مقررکردہ حدود کی پابندی کرتی ہے اور جو پابندی نہیں کرتی اس قوم کی طرح جس کے لوگوں نے قرعہ اندازی کرکے کشتی پر اپنی اپنی جگہ مقررکی' بعض لوگ کشتی کے اوپر والے حصہ میں بیٹھے اوربعض لوگ نچلے حصہ میں' پس جولوگ نیچے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ اگرہم اپنے حصہ کی کشتی میں سوراخ کردیں تواس سے ہمارے اوپر والوں کوکوئی تکلیف نہیں ہوگی' پس اگراوپروالوں نے انہیں نہ روکا اور ان کواپنا کام کرنے دیا تو سب کے سب ہلاک ہوجائیں گے' اوراگرانہیں روک دیا تو وہ بھی بچ جائیں گے اورکشتی کے دوسرے سوار بھی بچ جائیں گے۔''

۴۔اللہ کی لعنت سے بچاؤ:

اسی فریضہ سے روگردانی کے نتیجہ میں لوگ اللہ کی لعنت کے حقدار قرار پاتے ہیں' کیونکہ بنی اسرائیل امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے روگردانی کے نتیجہ میں ملعون قرار پائے تھے:

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ٥ کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ(۵)

''بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤداور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی' اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھےاور حد سے تجاوز کرتے تھے' آپس میں ایک دوسرے کوان برے کاموں سے روکتے نہیں تھے(بلکہ خود) جن کا ارتکاب کرتے تھے۔''

۵۔نجات اخروی کا ذریعہ:

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے بچانے کا موجب بنے گا' جس طرح کہ قرآن پاک میں اس چیز کی طرف ان الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْھُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰہُ مُھْلِکُھُمْ اَوْ مُعَذِّبُھُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّکُمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ٥ فَلَمَّا نَسُوْا مَاذُکِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْھَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا(۶)

''اور جب ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ بالکل ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت سزا دینے والا ہے' انہوں نے جواب دیا کہ تیرے رب کے ہاں جواب دینے کے لیےاوراس لیے کہ شاید یہ ڈر جائیں' سو جب وہ اس کو بھول گئے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچالیا جو اس بری عادت سے منع کیا کرتے تھے لیکن ان لوگوں کو جنہوں نے زیادتی کی' ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا۔''

اسی طرح حدیث مبارکہ میں حضرت حذیفہ بن یمان نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لتأمرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر' أو لیوشکن اللہ أن یبعث علیکم عقابا منه ثم تدعونه فلا یستجاب لکم(۷)

''قسم ہےاس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' تم ضرور بالضرور نیکی کا حکم دیتے رہو گےاور برائی سے منع کرتے رہو گے یا (اگر تم اس فریضہ کی آدائیگی نہیں کرو گے تو) پھر قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے ایسا عذاب نازل کرے' اس کے بعد تم اللہ سے دعائیں بھی کرو گے تو وہ تمہاری دعاؤں کو قبول نہیں کریں گے۔''

اسی اہم فریضہ کی بدولت سنت نبوی کا احیاء' بدعات وخرافات کی بیخ کنی اور باطل اور مادہ پرست طاقتوں کا استیصال

ممکن ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس اگر مسلمان اس فریضہ سے کنارہ کشی برتیں تو معاشرہ کے اندر بہت ساری روحانی اور جسمانی بیماریاں جنم لیتی ہیں اور معاشرہ فسق فجور کی راہ پر چل نکلتا ہے اور اسلام دشمن طاقتیں متحرک ہوکر اسلام کی جڑوں کو اسلامی معاشرہ میں کھوکھلا کرنا شروع کردیتی ہیں۔

موضوع کی اہمیت کی بناء پر اس عنوان پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے' لیکن اس کے باوجود بہت سارے داعیان حق امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے قواعد وضوابط سے عدم واقفیت کی بناء پر تبلیغ دین میں غلطیاں کر جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ نتائج وثمرات ہمارے سامنے ظاہر نہیں ہوتے جن کا ذکر قرآن وسنت میں موجود ہے' مثلاً کچھ لوگ اپنی دعوت کا آغاز مکارم اخلاق سے کرتے ہیں اور اس کے فضائل ومناقب لوگوں کو بتاتے ہوئے نظر آتے ہیں جبکہ معاشرہ شرک کی آماجگاہ بنا ہوا ہے' تو ایسی صورت میں دعوت کارگر نہیں ہوگی جب تک کہ لوگوں کے عقائد کی اصلاح نہ کی جائے' کیونکہ عقیدہ کی اصلاح اور لوگوں کی توحید سے آگاہی سب سے بنیادی اور اہم مسئلہ ہے' اور یہی مدار خیر ہے جبکہ شرک سراسر مدار شر ہے اور توحید کے بغیر اخلاق واطوار کی اصلاح کی کوشش کارگر نہ ہوگی کیونکہ شرک کی موجودگی میں بھلائی کا حصول ممکن نہیں' باوجود اس کے کہ شریعت اسلامیہ میں اخلاق حسنہ کی حیثیت مسلّم ہے۔

اسی طرح کچھ لوگ برائی کو بزور بازو ختم کرنا چاہتے ہیں جبکہ حقیقت میں شریعت نے انہیں یہ اختیار نہیں دیا ہوا تو اس سے بھی معاشرہ میں بگاڑ اور فساد کی فضا پیدا ہوتی ہے' اسی طرح دعوت کے میدان میں صبر وتحمل سے عاری لوگ جب دعوت کے فوری نتائج نہیں دیکھ پاتے تو وہ ناامید ہوکر اس فریضہ سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی طرح دعوت الی اللہ میں جب نبوی منہج سے ہٹ کر تبلیغ کا راستہ اپنایا جاتا ہے تو اسلام کو بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے اور اصلاح کے برعکس بگاڑ پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں داعیان حق کے لیے ضروری ہے کہ وہ دعوت کے میدان میں ان اصول وضوابط کو مدنظر رکھیں جو شریعت نے ان کے لیے وضع کیے ہیں تاکہ اس سے وہ فوائد وثمرات حاصل کیے جاسکیں جن کا تذکرہ قرآن وسنت میں کیا گیا ہے۔ شریعت میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کون سے اصول بیان ہوئے ہیں' قرآن وسنت کی روشنی میں انہیں بنیادی قواعد وضوابط کا تذکرہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

پہلا اصول: نیکی اور برائی کا معیار

کسی بھی عمل کو اچھا یا برا کہنے کا اختیار صرف شریعت کے پاس ہے اور کتاب وسنت ہی وہ میزان ہے جس کی بدولت معروف یا منکر کی پہچان ہوتی ہے اور اگر معاشرے کے زیادہ تر افراد کسی چیز یا عمل کو اچھا گردان رہے ہوں جبکہ شریعت میں اس کے معروف ہونے کی کوئی دلیل موجود نہ ہو بلکہ شریعت نے اسے غلط قرار دیا ہو تو شریعت کو مقدم رکھا جائے گا اور لوگوں کی اصطلاح کو رد کردیا جائے گا' چنانچہ کوئی بھی ایسا عمل جس کی کتاب وسنت میں تعریف کی گئی ہو یا صراحتاً اسے

اچھا قرار دیا ہو یا اس کے کرنے پر ثواب کا اعلان کیا گیا ہو یا اس عمل کے کرنے پر ابھارا گیا ہو اور یا اس کے ذریعے رضائے الٰہی کی خوشخبری سنائی گئی ہو تو وہ معروف ہوگا جس کے کرنے کا لوگوں کو حکم دیا جائیگا' جبکہ اس کے برعکس ایسا عمل جسکی کتاب وسنت میں ممانعت ہو اور اس کے کرنے پر کوئی وعید سنائی گئی ہو یا اس کی وجہ سے عتاب کا اندیشہ ہو یا وہ انسان کو اللہ کے غضب کا حقدار ٹھہرا رہا ہو تو وہ منکر ہے جس کے کرنے سے لوگوں کو روکا جائے گا۔

ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں:

وقد تکرر ذکر المعروف فی الحدیث'وهو اسم جامع لکل ما عرف من طاعة الله والتقرب الیه والاحسان الی الناس'وکل ما ندب الیه الشرع(۸)

''معروف کا ذکر حدیث میں بار بار آیا ہے اور معروف ہر وہ عمل ہے جسکی بدولت بندہ اللہ کی اطاعت میں آجاتا ہے اور اس سے وہ اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے اور جو لوگوں کی بھلائی کا سبب بنتا ہے اسی طرح ہر وہ عمل معروف کہلائے گا جس کی شریعت نے تعریف کی ہے۔''

اور ابن الاثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والمنکر ضد المعروف وهو کل ما قبحه الشرع وحرمه وکرهه وهومنکر(۹)

''اور منکر (برائی) معروف کا متضاد ہے اور یہ ہر وہ عمل ہے جسکی شریعت نے مذمت کی ہو اور حرام ٹھہرایا ہو اور اسے ناپسند کیا ہو۔''

اسی طرح امام ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

یطلق اسم المعروف علي ما عرف بادلة الشرع من أعمال البر' سواء جرت به العادة أم لا(۱۰)

''معروف کا اطلاق ہر اس عمل پر ہوتا ہے جس کو شریعت نے نیک اعمال میں گردانا ہو چاہے لوگ اس پر عمل کر رہے ہوں یا اس سے عاری ہوں۔''

ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

المراد بالأمر بالمعروف والنهی عن المنکر' الأمر بواجب الشرع'والنهی عن محرماته(۱۱)

''امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے مراد شریعت کے واجبات کا حکم دینا اور شریعت کی حرام کردہ چیزوں سے منع کرنا۔''

جبکہ امام شوکانی رحمہ اللہ نے داعی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

انهم یأمرون بما هو معروف فی هذه الشریعة' وینهو ن عما هو منکر' فالدلیل علي کون ذالك الشئی معروفا أو منکرا هو الکتاب والسنة(۱۲)

''داعی سے مراد وہ لوگ ہیں جو شریعت کی حلال کردہ چیزوں کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور برائی سے لوگوں کو

منع کرتے ہیں، جبکہ ان کے ہاں نیکی یا برائی کا معیار صرف اور صرف کتاب وسنت ہوتا ہے۔“

صلحاء امت اور علماء سلف کے ان تمام اقوال کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا سب سے پہلا اور بنیادی قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ معروف یا منکر کا فیصلہ صرف اور صرف شریعت سے کیا جائے کیونکہ اس کا اختیار صرف شریعت کے پاس ہے نہ کہ اس داعی کے پاس جو دعوت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔

دوسرا اصول: معروف یا منکر کی علم وبصیرت سے پہچان

داعی کے لیے دوسرا اہم اصول جو کتاب وسنت نے ہمیں دیا ہے وہ یہ ہے کہ مبلغ یا داعی اچھی طرح فہم وفراست اور بصیرت سے اس بات کی یقین دہانی کر لے کہ جس چیز کو وہ معروف کہہ رہا ہے یا جس چیز کی دعوت وہ لوگوں کو دے رہا ہے کیا واقعی اسے شریعت نے بھی معروف کہا ہے؟ اور جس چیز یا عمل سے وہ لوگوں کو منع کر رہا ہے کیا واقعی شریعت نے بھی اس سے منع کیا ہے اور اسے حرام ٹھہرایا ہے؟ کیونکہ اگر وہ ایسی چیز کی طرف لوگوں کو بلاتا رہا جس کی شریعت نے تعریف نہیں کی اور ایسی چیز سے لوگوں کو منع کرتا رہا جسکو شریعت نے مباح یا جائز قرار دیا ہے تو معاشرہ کے اندر اس کے غلط اثرات مرتب ہوں گے اور لوگوں میں تضاد اور اختلاف پیدا ہو جائے گا، جس سے نہ صرف بگاڑ پیدا ہوگا بلکہ دشمنانِ اسلام کے ہاں اسلام کا غلط تصور ظاہر ہوگا اور انہیں اسلام پر تنقید کا موقع ملے گا، اور ایسی صورت میں ممکن ہے داعی ایسی چیز کی طرف لوگوں کو بلا رہا ہو جو شرعی طور پر جائز نہیں اور ایسی چیز یا عمل سے لوگوں کو منع کر رہا ہو جو مشروع اور جائز ہے اور دونوں حالتوں میں وہ گناہ کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے۔ اور جس چیز کو وہ نیکی سمجھ کر اللہ کی طرف منسوب کر رہا ہے حقیقت میں اس کا حکم اللہ نے دیا ہی نہ ہو اور داعی نادانی اور ناسمجھی میں اللہ پر افترا باندھ رہا ہو۔

قرآن پاک نے بھی علم نافع کی تعریف کی ہے اور اس کی اہمیت کسی بھی صالح عمل سے پہلے بیان کی ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ... (۱۳)

”سو (اے نبی) آپ یقین کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور پھر اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں۔..“

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں جو باب قائم کیا ہے اس کا عنوان ہی یہ رکھا ہے ”(باب العلم قبل القول والعمل)“ (۱۴)

اور اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ السلام کو دو چیزوں کا حکم دے رہے ہیں:

۱۔علم اور ۲۔عمل، کیونکہ ابتدا علم سے کی ہے۔

اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم کا مرتبہ عمل سے زیادہ اور پہلے ہے، اور کسی بھی عمل سے پہلے اور اس کی حقیقت کا معلوم کرنا لازمی ہے کہ کیا یہ مشروع بھی ہے یا نہیں؟ اور شریعت نے اسے حلال قرار دیا ہے یا حرام؟

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولا یکون عمله صالحا ان لم یکن بعلم وفقه... وهذا ظاهر فان العمل ان لم یکن بعلم کان جهلا وضلالا واتباعا للهوى وهذا هو الفرق بین أهل الجاهلیة وأهل الاسلام فلا بد من العلم بالمعروف والمنکر والتمییز بینهما(۱۵)

''داعی کا عمل اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک اس کے متعلق اچھی طرح جانچ پڑتال نہ کرلے اور اگر بغیر علم کے کسی کام کو کرتا رہا تو وہ جہالت اور گمراہی پر مبنی ہوگا اور اس کا عمل خواہش نفس کی پیروی سمجھا جائے گا' یہی فرق جاہلیت اور اسلام کے مابین ہے' اس لیے لازمی ہے کہ معروف یا منکر کی اچھی طرح پہچان کرلی جائے اور ان کے درمیان فرق کو سمجھ لیا جائے اور اس کے بعد لوگوں کو اس کی دعوت دی جائے۔''

جبکہ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ داعیان اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أن تکون علي بینة فی دعوتك أی علی علم' ولا تکن جاهلا بما تدعوا الیه' لأن الله تعالی یأمرنبیه قائلافی القرآن الکریم: (قل هذه سبیلی ادعوا الی الله علي بصیرة(۱۶)

''جس چیز کی تم دعوت دے رہے ہو اس کو اچھی طرح سمجھ لو یعنی برائی یا بھلائی کی پہچان شریعت کے مطابق کر لینے کے بعد اس کی طرف بلاؤ یا لوگوں کو اس سے منع کرو اگر وہ منکر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اس بات کا اعلان کردیں کہ میری راہ یہی ہے اور میں اور میرے متبعین' پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اللہ کی طرف بلا رہے ہیں۔''

اس آیت میں نبی کریم ﷺ اس بات کا اعلان فرما رہے ہیں کہ توحید کی راہ ہی میری راہ ہے اور اسی کی طرف میں اور میرے پیروکار یقین اور دلائل شرعی کے ساتھ لوگوں کو بلاتے ہیں۔

اس لیے لازمی ہے کہ کسی بھی معروف جس کی دعوت لوگوں کو دی جارہی ہے اس کی پہچان اچھی طرح قرآن وسنت کی روشنی میں کرلی جائے اور مسئلہ کے متعلق اچھی طرح چھان بین کرلی جائے اور اس کے بعد ہی دعوت کا آغاز کیا جائے۔

الشیخ محمد بن صالح العثمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأما الدعوة بدون علم فانها دعوة علي جهل' والدعوة علي جهل ضررها اکثر من نفعها' لأن الداعیة قد نصب نفسه موجها ومرشدا' فاذا کان جاهلا' فانه یکون ضالا مضلا' والعیاذ بالله(۱۷)

''علم کے بغیر دعوت مبنی بر جہالت ہوتی ہے' اور بغیر یقین کے جہل پر دعوت دینے کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہوتا ہے' کیونکہ جاہل آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی کررہا ہے جبکہ حقیقت میں وہ لوگوں کو گمراہ کررہا ہوتا ہے۔''

اس کے بعد (علي بصيرة) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اللہ کے قول (علي بصيرة) پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تین چیزوں کی طرف اشارہ ہے:

۱۔ جس چیز کی لوگوں کو دعوت دے رہا ہے اس کے متعلق حکم شرعی سے واقف ہو' عین ممکن ہے کہ وہ اس چیز کو واجب سمجھ رہا ہو جبکہ شریعت میں وہ واجب نہ ہو' اور اگر ایسا ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگوں کو ایسی چیز کا مکلّف کر رہا ہے جس کا مکلّف اللہ نے اپنے بندوں کو نہیں کیا' یا اس کے برعکس وہ لوگوں کو ایسی چیز سے منع کر رہا ہے جس سے شریعت نے لوگوں کو منع نہیں کیا' تو ایسی صورت میں وہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرانے کا مرتکب ہو رہا ہے۔

۲۔ مدعو' یعنی جس کو دعوت دی جا رہی ہے' اس گروہ یا قبیلہ کے حالات سے اچھی طرح آگاہی رکھنا' جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت معاذ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو ان کو ان الفاظ میں رخصت کیا:

انك ستأتى قوما أهل الكتاب ....(۱۸)

''تم ایسی قوم کی طرف بھیجے جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں.......''

امام ابن حجر اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے فتح الباری میں لکھتے ہیں:

هى كـاا لتوطئةللوصية تستجمع همته عليها لكون أهل الكتاب أهل علم فى الجملة فلا تكون العناية فى مخاطبهم كمخاطبة الجهال(۱۹)

''یعنی نبی کریم ﷺ حضرت معاذ کو معاشرہ کے حالات سے واقفیت کی وصیت کر رہے ہیں اور یہ کہ اہلِ کتاب علم رکھنے والے لوگ ہیں اور ان سے مخاطب ہوتے وقت ان کے علم کا لحاظ رکھنا اور انہیں اس طرح مخاطب نہ کرنا جس طرح بالکل اَن پڑھ لوگوں کو مخاطب کیا جاتا ہے۔''

۳۔ اچھی طرح سمجھ لینا کہ یہاں پر دعوت کا کون سا طریقہ کارگر ہو سکتا ہے وعظ و نصیحت' نرمی یا سختی' ترغیب یا ترہیب وغیرہ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ....(۲۰)

''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے۔''

اس لیے لازمی ہے کہ دعوت سے پہلے خود اچھی طرح رسوخ حاصل کر لیا جائے یعنی پہلے خود سیکھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے اور پھر لوگوں کو اس کی دعوت دی جائے۔

تیسرا اصول: منکر سے روکنے کی شروط اور اس کی پہچان

کسی بھی برائی یا منکر سے لوگوں کو دور کرنے اور اس کی بیخ کنی کرنے کی چند شرائط ہیں' جس سے واقفیت کسی بھی داعی

کے لیے لازمی ہے اوران شرائط سے آگاہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تیسرا قاعدہ ہے۔

اوروہ شرائط درج ذیل ہیں:

☆ پہلی شرط: برائی ہونے کی تحقیق کرنا:

منکر ہر وہ عمل ہے جس کو شریعت نے حرام ٹھہرایا ہو یا اس کو مکروہ جانا ہو'لفظ 'منکر' کا اطلاق ہر اس عمل پر ہوتا ہے جس سے فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے اگر چہ بعض حالات میں وہ کام کرنے والے کے لیے منکر نہیں ہوتا لیکن حقیقت میں وہ غلط ہی تصور ہوگا' جیسا کہ پاگل آدمی کا زنا کرنا یا کم سن بچے کا شراب پینا وغیرہ یہ زنا اس مجنوں کے لحاظ سے اور شراب اس بچے کے لحاظ سے تو منکر ہی ہوگا لیکن اس پر عذاب اور سزا نہ ہوگی کیونکہ اس فرضیت کی دو شرائط مفقود ہیں یعنی بلوغت اور عقل۔لیکن یہاں پر جس چیز کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ کسی بھی معاملے میں منکر کا حکم لگانا صرف شریعت کا حق ہے اور اس میں شخصی اغراض شامل نہیں ہونی چاہییں' اور یہ کام علماء کا ہے جو کتاب وسنت سے شرعی احکام کا استنباط کرتے ہیں اور دلائل وبراہین کی روشنی میں کسی چیز پر معروف یا منکر کا حکم لگاتے ہیں۔

☆ دوسری شرط: برائی کا وقت حاضر میں موجود ہونا:

اس کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت

بعض وجوہات کی بنا پر منکر یا برائی مستقبل قریب میں متوقع ہو'جیسے کوئی کالج یا یونیورسٹی کا طالبعلم لڑکیوں کے اسکول کے سامنے گھومتا پھرتا رہے اور غیر محرم کی طرف دیکھتا رہے یا کوئی شخص مسلسل لوگوں سے شراب بنانے کے طریقے پوچھتا رہے قریب ہے کہ وہ شراب پینے کا ارتکاب کر بیٹھے۔

ایسی صورت میں داعی کو چاہیے کہ وہ وعظ ونصیحت کے ذریعے اسے برائی سے روکنے کی کوشش کرے اور اللہ کے عذاب سے انہیں ڈرائے۔

دوسری صورت

ایسی برائی جس کا ارتکاب چند گھڑیوں کے بعد ہونے والا ہو جیسے ایسا آدمی جو گھر میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے شراب کا گلاس رکھا ہوا ہے اور وہ اگلے ہی لمحے اسے پینا چاہتا ہے یا ایسا آدمی جو ایک ایسے گھر میں داخل ہوتا ہے جس میں ایک غیر محرم عورت رہتی ہے اور وہ اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر لیتا ہے'اس کے بعد وہ زنا جیسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے ہیں ایسی صورت میں اگر داعی ان لوگوں کو برائی سے روکنے پر قادر ہے تو برائی سے روکنے کی کوشش کرے اور اس معاملے میں کسی قسم کا خوف اپنے دل میں نہ رکھے بلکہ اگر وہ صاحب اختیار ہے اور مرتکب کو روکنے پر قادر ہے تو فوراً عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرے۔

تیسری صورت

ایسی برائی جس کا ارتکاب ہو چکا ہو اور اس کے آثار بھی ظاہر ہو چکے ہوں۔ جیسے شرابی شراب پی چکا ہو اسی طرح ایسا شخص کہ جو ایک گھر میں اکیلا رہتا ہو اور اس کے گھر سے دوشیزہ نکل کر جا رہی ہو۔

ایسی صورت میں نہی عن المنکر کی کوئی صورت نہیں رہتی' کیونکہ فاعل تو اپنا کام کر چکا ہے برائی تو ہو چکی ہے۔اب معاملہ صرف سزا اور عذاب کا رہ گیا ہے جو داعی کا کام نہیں بلکہ صرف حاکم شہر کی ذمہ داری ہے زیادہ سے زیادہ داعی یہ کر سکتا ہے کہ وہ حاکم شہر کے پاس اس چیز کی شکایت کرے اور برائی کا ارتکاب کرنے والے کی نشاندہی کرے تا کہ یہ سزا دوسروں کے لیے نشانِ عبرت ہو۔

☆ تیسری شرط: برائی کا ظاہری طور پر پایا جانا:

کسی شخص کے پیچھے ٹوہ لگانا تا کہ اس کے اندر برائی کو تلاش کیا جائے اور تجسس کرنا اس سے اسلام نے منع کیا ہے کیونکہ اسلام اس چیز کی ضمانت دیتا ہے کہ انسان معاشرے میں عزت واحترام کی زندگی گزارے جب تک کہ وہ صحیح اور ظاہری طور پر شریفانہ زندگی بسر کر رہا ہو،ہاں اگر وہ معاشرتی عادات کے خلاف زندگی گزارنا چاہے تو پھر اسلام نے اصلاح کے کئی راستے بتائے ہیں۔

اسلام نے انسانیت کے احترام کے لیے تجسس سے منع کیا ہے اس لیے کسی بھی داعی کیلیے یہ روا نہیں کہ وہ کسی آدمی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی تلاش کرنے کے لیے جائے یا یہ کہ وہ لوگوں کے دروازوں میں سے جھانکے اور برائی کی تلاش میں پھرتا رہے۔

کیونکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس حد تک منع کیا ہے کہ ہم کسی گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہوں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا۟ وَتُسَلِّمُوا۟ عَلَىٰٓ أَهْلِهَا(۲۱)

''اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں نہ جاؤ حب تک تم اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔''

بلکہ اسلام نے تو کسی کے گھر میں جھانکنے کو بھی حرام قرار دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس کی دیت اور قصاص کو ختم کیا ہے' جو جھانکنے والے کو مار دیتا ہے۔

لو أن امرأ اطلع عليك بغير اذن فحذفته بحصاة ففقأت عينه لم يكن عليك جناح(۲۲)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر کوئی تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے گھر میں جھانکتا ہے اور تم اس پر پتھر سے وار کرتے ہو جس کے نتیجے میں اس کی آنکھ ضائع ہو جاتی ہے تو تم پر اس کا کوئی گناہ نہیں۔''

اسلام نے اگر بغیر اجازت کسی گھر میں داخلے کو حتیٰ کہ کسی گھر میں جھانکنے سے بھی منع کیا ہے تو تجسس تو بدرجۂ اولیٰ حرام ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا(۲۳)

''اے ایمان والو! بہت زیادہ بدگمانیوں سے بچو یقیناً بعض بدگمانیاں گناہ ہیں' اور بھید نہ ٹٹولا کرو۔''

حضرت ابوھریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

ایاکم والظن فان الظن أکذب الحدیث' ولا تجسسوا.....(۲۴)

''بدگمانی سے بچو' کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے' اور کسی کے پیچھے اس کے بھید جاننے کے لیے نہ پڑو۔''

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عن معاویة قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: انك ان اتبعت عورات المسلمین أفسدتهم(۲۵)

''حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا کہ اگر تم مسلمانوں کے پوشیدہ اعمال کے پیچھے لگے تو معاشرہ کو بگاڑ کی طرف لے جاؤ گے۔''

ہاں اگر کوئی شخص اعلانیہ برائی کرے تو اس پر عتاب ہوگا چاہے وہ برائی نظر آنے والی چیز ہو یا سنائی دینے والی' جیسے ایک آدمی باہر گلی میں فحش قسم کی فلم لگا کر بیٹھ جائے یا مکان میں اونچی آواز میں گانے لگائے۔ یا یہ کہ وہ شراب پی کر باہر نکلے اور اس کے منہ سے شراب کی بدبو آرہی ہو' ایسے تمام معاملات میں وہ اس حق سے محروم سمجھا جائے گا جو اسلام نے اسے دیا ہے یعنی احترام انسانیت کا' گویا اس نے اپنی عزت کو خود اچھالا ہے اور اپنے اس عیب سے پردہ اٹھایا ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے چھپایا ہوا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کل أمتی معافی الا المجاهرین(۲۶)

''میری امت کا ہر آدمی معاف کر دیا جائے گا لیکن وہ شخص نہیں جس نے اعلانیہ برائی کا ارتکاب کیا۔''

ان تمام دلائل سے جو بات ہماری سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ تجسس سے ہمیں منع کیا گیا ہے وہ اس وقت تک ہے جب تک برائی کا مرتکب اعلانیہ برائی کا ارتکاب نہیں کرتا' اور جو کوئی ایسا کرتا ہے تو پھر اس کا مؤاخذہ ہوگا اور داعی وعظ ونصیحت کے ذریعے اور ترہیب کے ذریعے آئندہ ایسا نہ کرنے کی تلقین کرے گا جبکہ محتسب اور حاکم شہر بزورِ بازو ایسی برائیو ں کی بیخ کنی کرنے کا ذمہ دار ہے۔

☆ چوتھی شرط: منکر کا بالاتفاق منکر ہونا:

ایک داعی کی کامیابی کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس کا سینہ اختلاف کو قبول کرنے والا ہو' بہت سارے مسائل ایسے ہوتے ہیں جو ایک طبقہ کے ہاں جائز ہوتے ہیں جبکہ دوسرے طبقہ کے ہاں ناجائز سمجھے جاتے ہیں جبکہ اصل میں دونوں گروہوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوتا ہے چند فروعی مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ایک کامیاب داعی وہی ہے جو اختلاف کو قبول کرے اور اپنی مخالف رائے کے حامل کو کافر یا فاسق نہ کہے۔

وَّ لا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ (۲۷)

''وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے بجز ان کے جن پر آپ کا رب رحم فرمائے۔''

امام غزالی کہتے ہیں:

أن یکون کونه منکرا معلوما بغیر اجتهاد (۲۸)

''برائی جس سے لوگوں کو روکا جائے گا وہی ہے جس کا برا ہونا بغیر اجتہاد کے براہِ راست نص سے سمجھ میں آجائے۔''

امام سفیان ثوری کہتے ہیں:

اذارأیت الرجل یعمل العمل الذی اختلف فیه وأنت تری غیرفلا تنهه (۲۹)

''اگر تم ایسے آدمی کو دیکھتے ہو جو ایسی برائی کرتا ہے جس کے برائی ہونے میں اختلاف ہے جبکہ تم اسے برائی سمجھتے ہو تو تم اسے مت روکو۔''

اور امام نووی کہتے ہیں:

ان العلماء ینکرون ما أجمع علي انکاره، أما المختلف فیه فلا انکار فیه، ولم یزل الخلاف بین الصحابة والتابعین فی الفروع ولاینکر أحد علی غیره وانما ینکرون ما خالف نصا أو اجماعا أو قیاسا جلیا (۳۰)

''علماء صرف اسی برائی سے منع کرتے ہیں جو بالاتفاق برائی ہے، اور جس میں اختلاف ہو کہ یہ برائی ہے بھی یا نہیں، اس سے نہیں روکا جا سکتا، صحابہ کرام اور تابعین میں بھی فروعی مسائل میں اختلاف پایا جاتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کو اس کی رائے کے مطابق عمل کرنے سے منع نہیں کرتے تھے، بلکہ صرف اسی چیز سے منع کرتے تھے جو صریحاً نص کے مخالف ہو یا اجماع یا قیاس جلی کے مخالف ہو۔''

اسی طرح جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان نمازِ عصر کے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا کہ آیا نماز ابھی پڑھ لی جائے یا آپ ﷺ کے بتائے ہوئے مقام پر پہنچ کر ہی نماز ادا کی جائے، تو اس قافلہ کے کچھ افراد نے نماز ادا کر لی جبکہ کچھ نے کہا کہ نماز منزلِ مقصود پر پہنچ کر ہی ادا کی جائے گی کیونکہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نماز فلاں مقام پر پہنچ کر ہی پڑھنا، چنانچہ جب اس بات کی خبر آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فریقین میں سے ہر ایک کے عمل کو شرفِ قبولیت بخشا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اختلاف کے وقت ایک دوسرے کے عمل کو رد نہ کرتے تھے بلکہ اپنے اجتہاد کے مطابق جس نتیجہ پر پہنچتے اس کے مطابق عمل کرتے۔

ان اقوال کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صرف اسی برائی سے روکنا چاہیے جو بالاتفاق برائی ہو، جس میں حق واضح ہو اور کتاب وسنت میں اس کے واضح دلائل موجود ہوں، لیکن اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو داعی اسے حتمی طور پر اپنی رائے

پر قیاس کرتے ہوئے اسے منکر سمجھ کر لوگوں کو اس سے منع کرنے کا حق نہیں رکھتا' بلکہ اسے ایسے اختلاف کو شرح صدر کے ساتھ قبول کرنا چاہیے اور ایسی صورت میں صرف اپنی رائے لوگوں تک پہنچا دینے سے ہی فریضہ کی ادائیگی ہو جاتی ہے جسے وہ حق سمجھتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

چوتھا اصول: برائی کے سد باب کے مراتب کی معرفت

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کا بہت زیادہ انحصار ان اختیارات پر ہوتا ہے جو ایک داعی کے پاس ہوتے ہیں' ایک داعی جس کے پاس اس قدر اختیارات ہوں کہ وہ برائی کو ہاتھ سے مٹانے اور ختم کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو ایسا کرنا اس کے حق میں واجب ہو جاتا ہے' لیکن اگر وہ اس قدر اختیارات کا مالک نہیں' فقط زبان سے ہی نہی کی طاقت رکھتا ہے' تو صرف یہی واجب ہے۔ اس سے زیادہ کا وہ مکلّف نہیں' اور اگر اتنی بھی ہمت اور اختیار نہیں کہ وہ برائی کو زبان سے برا کہہ سکے تو پھر اس پر صرف اتنا ہی واجب ہے کہ وہ اس برائی کو برائی سمجھے اور دل میں اس کے لیے کراہت محسوس کرے' یاد رہے کہ یہ ایمان کا آخری درجہ ہے' اور ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ برائی کو دل میں برا جانے۔

حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده' فان لم يستطع فبلسانه' فان لم يستطع فبقلبه' وذالك أضعف الايمان(۳۱)

''تم میں سے جو بھی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے تبدیل کرے' اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی مذمت کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اس برائی کو اپنے دل میں برا جانے' اور برائی کو دل میں برا جاننا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي الا كان له من أمته حواريون وأصحاب يأخذون بسنته' ويقتدون بأمره' ثم انها تخلف من بعدهم خلوف يقولون ما لا يفعلون' ويفعلون ما لا يؤمرون' فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن' ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن' ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن' وليس وراء ذالك من الايمان حبة خردل(۳۲)

''اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی اس کی امت میں مبعوث فرمایا اس میں ایسے لوگ تھے جو اس کی مدد کرنے والے اور اس کی اتباع اور پیروی کرنے والے تھے' لیکن ان کے بعد انہوں اپنے پیچھے ایسے نااہل لوگوں کو چھوڑا جو ایسی باتیں کہتے جن پر وہ خود عمل پیرا نہیں ہوتے' اور ایسے اعمال کرتے جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا' پس ان سے جس نے بھی ہاتھ سے جہاد کیا وہ مومن ہے' اور جس نے زبان سے ان کا تدارک کیا وہ بھی مومن ہے' اور جس نے

دل سے ان کو برا جانا وہ بھی مؤمن ہے، لیکن اس کے بعد ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی باقی نہیں رہتا۔"

یعنی جس کے دل میں برائی سے نفرت موجود نہیں، اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔

اب ہم نہی عن المنکر کے مراتب ذکر کرتے ہیں، جن کا ذکر احادیث میں ہے:

پہلا درجہ: ہاتھ سے برائی کا تدارک اور اس کی شرائط

پہلا اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان کسی برائی کو دیکھے اور پھر اسے بزورِ بازو روکے اور ختم کرے، مثلاً وہ کسی ایسی محفل یا مجلس سے گزرتا ہے جہاں لوگ شراب پی رہے ہیں، اور برتن شراب سے بھرے پڑے ہیں، وہ جا کر ان برتنوں میں سے شراب کو بہا دیتا ہے، اسی طرح وہ ان لوگوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے جو معاشرہ میں دنگا وفساد کے موجب بن رہے ہیں یا لوگوں پر ظلم وجور کرتے ہیں، لیکن یہ سارے کے سارے کام صرف اور صرف والی شہر اور حاکم وقت کے ہیں اگر برائی کا ارتکاب بازاروں میں ہو رہا ہو، لیکن اگر یہی کام کسی گھر کی چار دیواری میں ہو رہے ہوں تو پھر گھر کا سربراہ یہ فریضہ ادا کرے گا، یعنی گھر کا سربراہ اپنے اہل وعیال کو فرائض کی ادائیگی اور حرام سے بچنے پر مجبور کر سکتا ہے، بشرطیکہ نرمی اور لطافت، وعظ ونصیحت کارگر ثابت نہ ہو۔

قرآن پاک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوا مُدْبِرِيْنَ○ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ(۳۳)

"اور اللہ کی قسم میں تمہارے ان معبودوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا جب تم ان سے پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے پس اس نے ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے البتہ بڑے بت کو چھوڑ دیا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے بتوں کو توڑا، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دھات سے بنے بچھڑے کو اپنے ہاتھ سے جلا دیا جسے بنی اسرائیل نے پوجنا شروع کر دیا تھا۔

وَ انْظُرْ اِلٰى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا(۳۴)

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو بیت اللہ کے آس پاس ۳۶۰ کے قریب بت نصب تھے آپ ﷺ نے انہیں اپنے ہاتھ سے اکھاڑا اور ساتھ ساتھ یہ فرما رہے تھے:

جاء الحق وزهق الباطل(۳۵)

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ سے سونے کی انگوٹھی اتار دی تھی،(۳۶)

یہ اور اس طرح کی بیسیوں نصوص ایسی ہیں جو ہاتھ سے برائی کو ختم کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

لیکن یہ کام ہر آدمی کا نہیں اور نہ ہی ہر برائی کے معاملے میں یہ طریقہ اپنانے کا حکم ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے معاشرہ میں فساد بپا ہو گا، اور بہت زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے، اس لیے یہ کام صرف حاکم وقت یا والی شہر کر سکتا ہے یا وہ لوگ جو

اثر ورسوخ رکھتے ہیں اور معاشرہ میں لوگ ان کی بات سنتے ہیں اور ان کی کہی ہوئی بات میں وزن ہوتا ہے' بلکہ اسے حاکم وقت نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری سونپ رکھی ہوتی ہے اس کے علاوہ گھر کے سربراہ کو شریعت نے یہ اختیار دیا ہوا ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو قوت اور طاقت سے برائی سے منع کرے اگر وہ اس کا ارتکاب کرتے ہیں' لیکن حاکم وقت اور اس کی طرف سے مامور شخص اور گھر کے سربراہ' ان سب کو بھی شریعت نے حکم دیا ہے کہ وہ مشروع طریقہ اور حکمت سے نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں۔

امام ابن تیمیۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وليس لأحد أن يزيل المنكر بما هو أنكرمنه' مثل أن يقوم واحد من الناس يريد أن يقطع يد السارق ويجلد الشارب' ويقيم الحدود'لأنه لو فعل ذالك لأفضى الى الهرج والفساد'فهذا ينبغي أن يقتصر فيه علي ولى الأمر (۳۷)

''کسی آدمی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ برائی کو مٹانے کے لیے برائی سے بدتر راستہ اپنائے' مثلاً ایک آدمی کھڑا ہوکر چور کا ہاتھ کاٹنے لگ جائے یا پھر وہ کسی شرابی کو دیکھ کر اس پر حد لگائے اور اسے سرعام کوڑے مارنا شروع کردے تو یہ چیز معاشرہ میں فساد پیدا کردے گی اور لوگوں میں خوف وہراس کی فضا پیدا ہوجائے گی اس لیے لازمی ہے کہ یہ کام حاکم وقت اور ولی امر کے سپرد کردیے جائیں۔''

دوسرا درجہ: زبان سے برائی کا انکار اور اس کی شروط

اور جب انسان صاحب اختیار نہ ہو اور ہاتھ سے برائی روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو' یا پھر وہ یہ محسوس کرے کہ اس موقع پر طاقت سے نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے سے نتائج اچھے مرتب نہیں ہوں گے اور اصلاح کی بجائے فساد کا اندیشہ ہو تو پھر یہی فریضہ زبان سے نہی عن المنکر کی طرف منتقل ہوجاتا ہے' اور اس کے لیے بھی وہی اسلوب اختیار کرنے کی اجازت ہے جس کا شریعت میں حکم موجود ہے' اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کے ذریعے یہ بتلائے کہ یہ چیز حرام ہے اور شریعت نے اسے ممنوع قرار دیا ہے' اس لیے اس سے ہمیں باز رہنا چاہیے' ممکن ہے مرتکب گناہ کو علم ہی نہ ہو کہ وہ برائی کا ارتکاب کررہا ہے' اور جو کام وہ کررہا ہے وہ درست نہیں ہے' محض جہل کی بناء پر اس سے ایسا کام سرزد ہورہا ہو۔تو ایسی صورت میں وعظ ونصیحت ہی بہترین تبلیغ ہے۔

زبان سے برائی روکنے کے طریقے

پہلا طریقہ: نرمی اور لطافت سے گفتگو کرنا

مرتکب گناہ یا برائی کرنے والوں کی بھی اقسام ہوتی ہیں' داعی کو سب سے پہلے اس بات کی یقین دہانی کرلینی چاہیے کہ آیا وہ شخص جو گناہ کا مرتکب ہورہا ہے' وہ جانتے بوجھتے یہ کام کررہا ہے' یا محض جہل کی بنا پر ایسا کام کررہا ہے؟ اور اگر وہ

جہالت کی وجہ سے برائی کا مرتکب ہو رہا ہے تو پھر اسے اچھے انداز سے وعظ ونصیحت کے ذریعے سمجھانا چاہیے اور اسے بتانا چاہیے کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمہیں یہ کام کرنے کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی ہے' بلکہ ایک مسلمان کے لیے اللہ نے اس کام کو حرام قرار دیا ہے' اور جب اس کی جہالت دور ہو جائے گی اور سمجھ جائے گا کہ یہ کام حرام ہے' تو وہ اس سے باز آ جائے گا۔

لیکن ضروری ہے کہ حکمت اور نرمی سے اس کی سوچ کا زاویہ تبدیل کیا جائے اور موقع ومحل دیکھ کر اسے وعظ ونصیحت کی جائے تا کہ نصیحت کا اس پر الٹا اثر نہ ہو مبادا وہ نصیحت قبول کرنے کی بجائے داعی سے متنفر ہو جائے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الله يحب الرفق فى الأمر كله(۳۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند کرتے ہیں۔''

اور حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے:

''جب بھی آپ ﷺ کو کسی شخص کا قول یا فعل اچھا نہ لگتا تو آپ ﷺ کبھی اس آدمی کا نام لے کر نہیں پکارا کرتے تھے کہ اس نے ایسا کیوں کیا یا کہا؟ بلکہ یہ فرماتے کہ میری قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ یہ کہتی پھرتی ہے؟''(۳۹)

نبی کریم ﷺ تو یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ بھی نرمی برتتے تھے تا کہ وہ ہدایت کا راستہ اختیار کر لیں اور دین حق کو اپنا لیں ایمان قبول کر لیں' تو پھر اپنے مسلمان بھائیوں کی اصلاح اور ان تک دین کی دعوت پہنچانے میں تو بدرجۂ اولیٰ نرمی والا رویہ اپنانا چاہیے۔

اس لیے داعی حق کے لیے لازمی ہے کہ وہ بھی اس پہلو کو قطعی نظر انداز نہ کرے بلکہ رفق ومحبت' نرمی اور حکمت سے تبلیغ حق کا فریضہ سرانجام دے' اور اپنی تبلیغ کے دوران اچھے مہذب اور نرم الفاظ کا انتخاب کرے' کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی قرآن پاک میں اسی بات کا حکم دیا ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ(۴۰)

''اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے لوگوں کو بلاؤ۔''

یہ اسلوب جو قرآن پاک میں بتلایا گیا ہے' سیاق وسباق کے لحاظ سے یہ آیات یہ بتاتی ہیں کہ جب یہود ونصاریٰ کے ساتھ کوئی معاملہ درپیش ہو تو اس اسلوب کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے' تو پھر مومنین اور اہل اسلام کے ساتھ ایسے اسلوب کو اختیار کرنے کی ضرورت کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟

دوسرا طریقہ: وعظ ونصیحت اور ترغیب وتخویف

جس طرح پہلے بیان کیا گیا کہ مرتکب گناہ کی بھی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ اور اگر مرتکب گناہ برائی کو جانتے ہوئے اس کا

ارتکاب کرے تو پھر تھوڑی شدت کے ساتھ تخویف باللہ وبعذاب اللہ کے ذریعے اسے برائی سے روکنا چاہیے' کیونکہ وہ جانتا ہے تاکہ وہ جو کام کر رہا ہے وہ شریعت کی رو سے حرام اور ممنوع ہے'اس لیے داعی کو یہاں اُن آیات کے ذریعے اسے ترغیب دلانی چاہیے جس میں اللہ کے عتاب کا ذکر ہو اور جو وعدہ و وعید سے متعلق ہوں' اسی طرح سنت مطہرہ سے بھی ایسی ہی احادیث اور واقعات کا ذکر کرتے ہوئے اسے برائی سے روکنے کی کوشش کرنا چاہیے کیونکہ اگر وہ ان نصوص اور آیات و احادیث کو جانتا بھی ہوگا تو اعادہ کے طور پر اس کا اثر ہوگا۔

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ(۴۱)

''اور نصیحت کرتے رہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دے گی۔''

مرتکب گناہ کے سامنے موت اور اس کی سختیوں کا ذکر کرے اور بتلائے کہ یہ موت اچانک آنے والی ہے اور اگر تم اس برائی پر اڑے رہے اور موت آ گئی تو پھر تمہیں اس کے عذاب سے کون بچا سکے گا' اور داعی کو گفتگو کے دوران اس چیز کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ منصوح کو یہ باور کرائے کہ وہ اس کا خیر خواہ ہے' اور محبت کے رشتے کی وجہ سے اس کی بھلائی چاہتا ہے اور یہ کہ یہ بات ناصح اور منصوح کے درمیان ہی ہے' تاکہ وہ یہ سمجھ کر کہ داعی اسے شرمندہ کرنا چاہتا ہے کہیں متنفر نہ ہو جائے اور اس کی نصیحت کو ٹھکرا نہ دے۔

عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں:

كـان الـرجل اذا رأى من أخيه ما يكره أمره فى ستر' ونها ه فى ستر' فيؤجره فى ستره ويؤجر فى نهيه' فأما اليوم فاذا رأى احد من أحد مايكره استغضب أخاه'وهتك ستره(۴۲)

''آدمی جب اپنے بھائی میں کوئی برائی دیکھتا ہے تو اسے خفیہ طور پر سمجھاتا ہے تاکہ وہ اس سے باز آجائے' ایسا کرنے سے اسے برائی سے روکنے کا ثواب بھی ملتا ہے اور اس کے عیب پر پردہ ڈالنے کا بھی ثواب ملتا ہے' لیکن آج کل مرتکبِ گناہ کی عزت اچھالتے ہوئے اسے اس کا گناہ یاد دلایا جاتا ہے اور اس کی عزت اچھالی جاتی ہے۔''

تیسرا طریقہ: گفتگو میں سختی

اور اگر برائی کو روکنے کے لیے پہلے دونوں طریقے کارگر ثابت نہ ہوں تو پھر موقف میں سختی پیدا کر لینی چاہیے اور وہ بھی محض اصلاح کے لیے' سختی کے دوران بھی یہ قطعاً نہیں ہونا چاہیے کہ آدمی بڑے بڑے بول بولنا شروع کر دے اور کہے کہ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں شہر سے نکال دوں گا وغیرہ تاکہ برائی کرنے والے یہ نہ سمجھنے لگ جائیں کہ یہ سب چیزیں تو بندے کے اختیار میں ہی نہیں تو پھر یہ کیسے یہ سب کچھ کر سکتا ہے اور وہ اپنے کام پر ڈٹا رہے بجائے اس کے کہ اسے ترک کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ اسلوب اس وقت اختیار کیا جب وعظ و نصیحت کارگر نہ ہوئی اور کہنے لگے:

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ(۴۳)

''تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔''

اور یہ نہی باللسان کا آخری مرتبہ اور درجہ ہے اس کے بعد داعی کو صرف اس انداز سے تہدید اور تخویف دلانی چاہیے کہ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہاری شکایت پولیس میں کردونگا' کیونکہ اسلامی قانون میں جس کا تم ارتکاب کررہے ہو وہ ممنوع اور حرام ہے اور حکومت اس پر تمہیں سزا دیگی' لیکن اس تہدید اور تخویف میں داعی اس چیز کا خیال ضرور رکھے کہ جس بات کا وہ تذکرہ کررہا ہے یا جس عتاب سے وہ لوگوں کو ڈرارہا ہے وہ ممکن بھی ہو' تاکہ اس کا اثر زیادہ سے زیادہ ہو۔

تیسرا درجہ: برائی کو دل میں براجاننا

جب داعی یہ سمجھے کہ برائی کو ہاتھ سے یا زبان سے روکنا اس کے بس کے بات نہیں یا ایسا کرنے سے اصلاح سے زیادہ بگاڑ کا خدشہ ہو تو پھر آخری مرتبہ اور درجہ یہی ہے کہ وہ اس برائی کو اپنے دل میں براجانے اور اس سے کراہت محسوس کرے اور مرتکبین گناہ سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ اس درجہ پر نا صرف داعی بلکہ ہر مسلمان کا ہونا ضروری ہے' کیونکہ برائی کو دل میں براجاننا تو ہر کسی کے اختیار کی بات ہے' اور اگر ایک مسلمان اپنے دل میں برائی کے لیے نفرت محسوس نہیں کرتا تو اسے اپنے ایمان کی فکر کرنا چاہیئے' کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ولیس وراء ذالك حبة خر دل من الایمان(۴۴)

''اس کے بعد ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں بچتا۔''

اسی طرح فرمایا:

وذالك أضعف الایمان(۴۵)

''یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

یعنی سب سے کم تر چیز جس سے برائی کو رفع کیا جاسکتا ہے وہ یہی ہے کہ انسان اسے اپنے دل میں برا سمجھے' ابن رجب حنبلی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

فدلت هذه الأحادیث کلها علی وجوب انکار المنکر بحسب القدرة علیه وأما انکاره بالقلب لابد منه' فمن لم ینکر قلبه المنکر دل علي ذهاب الایمان من قلبه(۴۶)

''یہ حدیث حسب طاقت برائی کو روکنے پر دلالت کرتی ہے' لیکن کسی بھی برائی کو دل سے براجاننا تو ایمان کا لازمی جزو ہے اور جو شخص برائی کو دیکھتا ہے اور اسے اپنے دل میں برا نہیں جانتا تو ایسا انسان ایمان سے خالی دل کا مالک ہے۔''

داعی جب پہلی دونوں چیزوں پر اختیار نہیں رکھتا تو پھر آخری درجہ اور اس پر فرض ہوجاتا ہے اور اس کے لیے لازمی ہے کہ وہ منکر اور اہل منکر سے قطع تعلق ہوجائے حتی کہ وہ برائی سے باز آجائیں۔ کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ یَخُوۡضُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِهٖ(۴۷)

''اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کررہے ہیں' تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں' یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔''

اسی طرح ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ قَدۡ نَزَّلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الۡکِتٰبِ اَنۡ اِذَا سَمِعۡتُمۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُکۡفَرُ بِهَا وَ یُسۡتَهۡزَاُ بِهَا فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِهٖۤ ۫ۖ اِنَّکُمۡ اِذًا مِّثۡلُهُمۡ(۴۸)

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق کرتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کوئی اور بات نہ کرنے لگیں' (ورنہ) تم بھی اس وقت تک انہی جیسے ہو۔''

پس داعی کو ان تمام مراتب کا لحاظ کرنا چاہیے اور اپنے اختیارات کے مطابق' امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے تاکہ اس کی دعوت زیادہ سے زیادہ پراثر ہو۔

پانچواں اصول: مناسب اور اہم مسائل کا انتخاب

داعی کے لیے وقت حاضر کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب اور اہم مسئلے کا انتخاب کرنا ایک ضروری اور بنیادی امر ہے' یعنی کس مسئلے کو مقدم رکھا جائے اور کس چیز کی طرف لوگوں کو توجہ پہلے مبذول کروائی جائے' جس کی بدولت اصلاح کا پہلو نمایاں ہوگا۔

اس لحاظ سے دعوت حق میں جس ترتیب کو مدنظر رکھا جائے اس میں اصلاح عقائد سب سے پہلے ہے' شریعت کی اس ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے داعی کو سب سے پہلے لوگوں کو توحید کی دعوت دینا چاہیے اور معرفت الٰہی سے اپنی تبلیغ کا آغاز کرنا چاہیے' اور شرک اور اس کی اقسام' اس کی طرف جانے کے اسباب' اس کے مضمرات ونتائج' اور پھر اس کی عقوبات کے بیان کے ذریعے اس سے بچنے کی تلقین کرنا چاہیے' اور عقائد کی اصلاح کے بعد انہیں دوسرے فرائض یعنی نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج اور مکارم اخلاق' وغیرہ کی دعوت کی طرف آنا چاہیے' اور آخر میں شریعت کی مندوبات اور مکروہات سے آگاہی کی طرف آنا چاہیے۔

تبلیغ دین کا آغاز توحید سے کرنا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا منہج رہا ہے' جیسا کہ درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ اجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ(۴۹)

''اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (وہ اعلان کردے کہ اے لوگو) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔''

اور فرمایا:

وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ(۵۰)

''تم سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔''

اور ایک جگہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَسۡئَلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِہَۃً یُّعۡبَدُوۡنَ(۵۱)

''اور ہمارے ان نبیوں سے پوچھو! جنہیں ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے۔''

اسی طرح تمام انبیاء کرام نے اپنی دعوت کو اسی قول سے شروع کیا:

یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ(۵۲)

''اے میری قوم! صرف اللہ کی عبادت کرو' اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے بھی انبیاء کرام کے اسی منہج کو اپنایا اور اسی چیز' یعنی توحید سے دعوت کا آغاز کیا اور سب سے پہلے اللہ کی عبادت کو اللہ کے لیے خالص کرنے کی طرف لوگوں کو بلایا اور فرمایا:

اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَo لَا شَرِیۡکَ لَہٗ ۚ وَ بِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ(۵۳)

''بیشک میری نماز اور میری قربانی (ساری عبادات) اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔''

اور نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں ۱۳ سال تک اپنی قوم کو توحید کی دعوت دیتے رہے اور شرک سے لوگوں کو منع کرتے رہے اور بعد میں دوسرے فرائض مثلاً نماز' روزہ اور حج وغیرہ کا حکم ہوا تو اس کی دعوت دینا شروع کی' اور توحید سے شناسائی' اور شرک سے بچاؤ کے بعد ہی لوگوں کو دوسرے محرمات مثلاً سود' زنا' چوری اور قتل وغارت سے منع کیا' توحید کے ساتھ ساتھ اگرچہ دوسرے مکارم اخلاق کی دعوت بھی جاری رہی لیکن جو بنیادی اور اہم نکتہ تھا وہ توحید ہی تھا' اور آپ ﷺ کی مکی زندگی کے ۱۳ سال اسی بنیادی نکتہ کے گرد گھومتے ہیں' طائف' مکہ اور اس کے قرب وجوار کی وادیوں میں اور مکہ کے بازاروں میں آپ ﷺ پکار پکار کر لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے' اور جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو ان کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

انك تأتی قوما أهل الكتاب' فليكن أول ماتدعوهم اليه شهادة أن لا اله الا الله' وأن محمدا رسول

الله، فان هم اطاعوك لذالك فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات فى كل يوم وليلةفان هم اطاعوك لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم(۵۴)

''تم ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں اس لیے سب سے پہلے تم ان کو اس چیز کی دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جب اس معاملہ میں تمہاری دعوت قبول کر لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات میں تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور جب اس معاملہ میں بھی تمہاری اطاعت کریں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ نے تم پر صدقہ فرض کیا ہے جو تم میں سے مالدار لوگوں سے لیا جائے گا اور فقیروں اور غریبوں میں تقسیم کیا جائے گا۔''

امام ابن حجر کہتے ہیں:

ان ذكر الصدقة أخر عن ذكر الصلاة لأنها انما تجب على قوم دون قوم آخر، وأنها لا تكرر كماتكرر الصلاة فهو حسن، وتما مه أن يقال بدأ بالأهم فالمهم(۵۵)

''کہ صدقہ کا ذکر نماز کے بعد اس لیے کیا گیا کہ نماز صدقہ سے زیادہ اہم ہے اور انسان اسے دن میں بار بار دہراتا ہے جبکہ صدقہ کچھ لوگوں پر فرض ہوتا ہے اور کچھ لوگوں پر ضروری نہیں، جبکہ نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہم چیز کو مہم پر مقدم رکھنا چاہیے۔''

اس لیے داعیان حق کے لیے لازمی ہے کہ اس چیز کا اہتمام دوران دعوت کریں اور اہم اور بنیادی مسائل کی طرف پہلے توجہ کریں، اور لوگوں کے عقائد کی اصلاح سے دعوت کی ابتداء کریں، توحید اور اس کی اقسام، اور اسی طرح شرک اور اس کی اقسام لوگوں کے سامنے واضح کریں، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ دوسرے پہلوؤں مثلاً اصلاح اخلاق وغیرہ کو نظرانداز کر دیا جائے، بلکہ وہ بھی ساتھ ساتھ ہوں، مگر زیادہ سے زیادہ اہمیت توحید کو دینی چاہیے کیونکہ اسی کی بدولت ان کے دلوں میں ہدایت کی روشنی چمکے گی اور ہدایت کے نور سے منور ہوں گے اور کامیابی کی منازل طے کرتے رہیں گے۔

چھٹا اصول: مصالح اور مفاسد کی پہچان

شریعت اسلامیہ کا بنیادی مقصد معاشرے کی اصلاح اور اسے مفاسد اور بگاڑ سے حتی المقدور بچانا اور دور رکھنا ہے، اس لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں مصالح اور مفاسد کی پہچان بہت اہمیت رکھتا ہے، اور ایسی دعوت اسلامی دعوت قطعی نہیں ہو سکتی جس کی وجہ سے معاشرہ میں فساد اور اختلاف کی فضا پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے لازمی ہے کہ برائی سے منع کرتے وقت داعی اس چیز کا لحاظ رکھے کہ کہیں اس سے بگاڑ پیدا نہ ہو، اور اگر بگاڑ موجودہ برائی سے زیادہ ہو تو پھر اسے فی الحال مؤخر کر دینا چاہیے۔ شراب کی حرمت کی آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ اس میں نفع بھی ہے، لیکن نفع نقصان سے زیادہ ہے، اس

لیے اسے حرام قرار دیا:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا(۵۶)

’’لوگ آپ سے شراب اور جوا کے بارے میں پوچھتے ہیں‘ آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے‘ لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔‘‘

شرابی انسان عبادت سے دور ہو جاتا ہے‘ اور نادانی اور شراب کے نشے میں دھت‘ دوسروں کو گالی گلوچ اور برا بھلا کہتا ہے‘ یہی بہت بڑا گناہ ہے کہ وہ دوسروں پر ظلم وجبر کرتا ہے‘ اور اس بگاڑ کے متبادل کوئی بھی نفع بخش چیز نہیں حتیٰ کہ یہ بھی نہیں کہ نشے کی حالت میں وہ اللہ کی راہ میں مال ودولت خرچ کرے۔ سو اسے حرام قرار دیا گیا۔

اور اس کی ایک اور مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ(۵۷)

’’اور ان کو گالی مت دو جن کی لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں‘ کیونکہ پھر وہ جہالت کی وجہ سے حد سے تجاوز کرتے ہوئے اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین کے معبودان باطلہ کو برا بھلا کہنے سے منع فرما رہے ہیں‘ کیونکہ اس کے ردعمل کے طور پر وہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے‘ اور اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی‘ اس تحقیر سے بہت بڑی چیز ہے جو معبودان باطلہ کو گالی گلوچ دے کر کی جائے‘ اگرچہ انہیں نیچا دکھانا مصلحت پر مبنی ہے‘ لیکن اس کے مقابلے میں وہ جس گناہ کا ارتکاب کریں گے وہ فساد کا موجب بنے گی‘ پس مصلحت اسی میں ہے کہ انہیں برا بھلا نہ کہا جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک باب کا عنوان یہ رکھا ہے: **”باب من ترك بعض الاختيار مخافة أن يقصر فهم بعض الناس عنه فيقعوا فی اشد منه“** یعنی ایسے انسان کے متعلق حکم جو اختیار کے باوجود کسی عمل کو چھوڑ دیتا ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں لوگوں کی کوتاہی کی وجہ سے بگاڑ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور اس باب میں درج ذیل حدیث ذکر کرتے ہیں:

عن عائشةؓ أن النبی ﷺ قال لها۔ یا عائشة لو لا قومك حديث عهدهم ۔ لنقضت الكعبة فجعلت لها بابين۔ باب يدخل الناس وباب يخرجون(۵۸)

’’حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اے عائشہ اگر تمہاری قوم نئی نئی مسلمان نہ ہوئی ہوتی تو میں کعبہ کو گرا کر اس کی دوبارہ تعمیر کرتا اور اس کے دو دروازے رکھتا‘ ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے سے باہر نکلتے۔‘‘

امام ابن حجر رحمہ اللہ اس باب کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ويستفاد منه ترك المصلحة لأمن الوقوع فی المفسدة(۵۹)

مراد یہ ہے کہ اگر کسی مصلحت کو مؤخر کر دینے سے کی وجہ سے برائی اور بگاڑ سے بچا جا سکتا ہو تو ایسا کرنا چاہیے اور ایسی برائی سے منع نہ کیا جائے جس کے نتیجے میں اس سے بڑی برائی کے وقوع پذیر ہونے کا اندیشہ ہو۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں:

كان النبي ﷺ يتخولنا بالموعظة فى الأيام كراهية السآمة علينا(۶۰)

یعنی نبی کریم ﷺ اوقات کا لحاظ کرتے ہوئے وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے کہ کہیں تھکاوٹ کی وجہ سے سامعین مفرور ہونا شروع نہ ہو جائیں اور ابن حجر نے اس حدیث کی تشریح میں بیان کیا ہے:

قال الخطابی: والمعنى كان يراعى الأوقا ت فى تذكيرنا(۶۱)

امام خطابی فرماتے ہیں کہ ''اس کا (يتخولنا بالموعظة) مطلب ہے کہ آپ ﷺ وعظ ونصیحت کے دوران وقت کا بہت لحاظ کیا کرتے تھے۔''

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان النبی ﷺ شرع لأمته ايجاب انكار المنكر ليحصل بانكاره من المعروف ما يحبه الله و رسوله' فاذاكان انكار المنكريستلزم ما هو أنكر منه وأبغض الى الله ورسوله فانه لا يسوغ انكاره(۶۲)

''نبی کریم ﷺ نے اپنی امت پر برائی کی روک تھام کو واجب قرار دیا ہے' تاکہ اس کے ذریعے نیکی کا پرچار ہو جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے پسند فرمایا ہے' لیکن اگر نہی عن المنکر کی وجہ سے ایسی برائی کے جنم لینے کا اندیشہ ہو جو موجودہ برائی سے خطرناک ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں ناپسندیدہ ہے' تو وقتی طور پر اسے مؤخر کر دینا چاہیے' کیونکہ ایسے موقع پر نہی عن المنکر جائز نہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں بہت زیادہ ناپسندیدہ چیزیں دیکھیں جنہیں وہ فوراً اپنے ہاتھ سے تبدیل کر دینا چاہتے تھے' لیکن اس وقت ان کے پاس افرادی قوت بھی نہ تھی اور اختیارات بھی نہیں تھے' لیکن فتح مکہ کے بعد تو سب کچھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھا' اور آپ ﷺ چاہتے بھی تھے کہ وہ بیت اللہ کو انہی بنیادوں پر کھڑا کریں جن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی' لیکن اس کو گرانے سے قریش مکہ کے درمیان بگاڑ کا خدشہ تھا' اس لیے آپ ﷺ نے اختیار کے باوجود ایسا نہیں کیا۔''

آیات قرآنی' احادیث نبوی اور اقوال علماء سے ہم جو نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں وہ یہی ہے کہ شریعت نے مصالح کے حصول کے لیے احکامات جاری کیے ہیں' اور مفاسد کی بیخ کنی ہے۔ اس لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں بھی اس چیز کو مدنظر رکھنا از حد ضروری ہے' اور اگر نہی عن المنکر کی وجہ سے معاشرہ میں فساد کا اندیشہ ہو تو پھر داعی کو یا تو منہج تبدیل کر لینا چاہیے یا پھر دعوتی عمل وقتی طور پر مؤخر کر دینا چاہیے۔

نتائج

درج بالا سطور کی روشنی میں چند نتائج نکات کی صورت میں درج ذیل ہیں:

☆ اچھائی کا اچھائی ہونا اور برائی کا برائی ہونا اس کا فیصلہ خود داعی نہیں بلکہ شریعت کرے گی۔

☆ داعی کو چاہیے کہ وہ علم وبصیرت سے اچھی طرح معروف یا منکر کی پہچان کر لینے کے بعد دعوت کا آغاز کرے۔

☆ نہی عن المنکر کی چند شرائط ہیں، دعوت میں ان کو مدنظر رکھنا داعی کیلیے بہت ضروری ہے، اور وہ شرائط درج ذیل ہیں:

الف۔ برائی وقت حاضر میں موجود ہو

ب۔ برائی کے برائی ہونے کا پختہ یقین ہو

☆ نہی عن المنکر کے چند مراتب ہیں، جن کو ملحوظ خاطر رکھ کر دعوت دینا چاہیے اور وہ مراتب درج ذیل ہیں:

الف۔ ہاتھ سے برائی روکنا

ب۔ زبان سے نہی عن المنکر

ج۔ دل میں برائی کے لیے کراہت محسوس کرنا

☆ زبان سے نہی عن المنکر کے درج ذیل طریقے بالترتیب اپنانے چاہییں:

الف۔ نرمی اور لطافت سے نہی عن المنکر کی جائے۔

ب۔ ترغیب اور ترہیب دونوں طریقے اختیار کیے جائیں۔

ت۔ برائی کی پرزور مذمت کی جائے۔

☆ اہم اور بنیادی مسائل سے دعوت کی ابتداء کرنا چاہیے، اس کے لیے سب سے پہلے توحید، اصلاح عقیدہ، عبادات میں خلوص، اور پھر دوسرے فرائض مثلاً نماز، روزہ، حج اور دوسرے مکارم اخلاق کی تلقین کی جائے۔

☆ دعوت کے دوران مصلحت کے پہلو کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، اور مفاسد اور بگاڑ سے بچنے کے راستے اختیار کیے جائیں۔

اور آخر میں اس چیز کا ذکر بھی لازمی ہے کہ داعی کو دوران دعوت استقامت سے اپنی دعوت جاری رکھنا چاہیے اور نتائج کے حوالہ سے عجلت نہیں برتنی چاہیے بلکہ اسے اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے، کیونکہ ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں خالص اپنی رضا کے لیے دعوت کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور صحیح باتوں کے لیے دلوں میں جگہ پیدا کردے اور غلط باتوں کے اثر سے ہمیں محفوظ فرمائے۔ (آمین)

مراجع وحواشی

(۱) سورۃ آل عمران:۱۱۰ (۲) سورۃ التوبۃ:۷۱ (۳) سورۃ الحج:۴۱۔۴۰

(۴) البخاری، محمد بن اسمٰعیل، (۲۵۶) صحیح البخاری، کتاب الشرکۃ، باب هل يقرع فی القسمة؛ حدیث نمبر ۲۴۹۳۔المکتبہ السلفیۃ۔اردو بازار لاہور.

(۵) سورۃ المائدۃ:۷۸۔۷۹ (۶) سورۃ الاعراف:۱۶۴۔۱۶۵

(۷) ابوعیسی محمد بن عیسی، (۲۷۹) الجامع الصحیح، کتاب الفتن؛ حدیث نمبر ۲۱۶۸۔داراحیاء التراث العربی=بیروت لبنان.

(۸) ابن منظور، محمد بن مکرم، (۷۱۱) لسان العرب، ج ۹، ص ۲۴۰، دارصادر۔بیروت۔لبنان.

(۹) ابن اثیر، مبارک بن محمد الجزری، النہایۃ فی غریب الحدیث، ج ۳، ص ۲۱۶، المکتبۃ الاسلامیۃ بتحقیق طاہر احمد الزاوی.

(۱۰) ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، (۸۵۲) فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، ج ۱۰، ص ۴۴۸، المکتبۃ السلفیۃ۔لاہور

(۱۱) الہیثمی، ابن حجر، الزواجر عن اقتراف الکبائر، ج ۲، ص ۱۴۶، دارالکتب العربیۃ۔القاہرۃ.

(۱۲) الشوکانی، محمد بن علی، (۱۲۵۵) ارشاد الفحوالی تحقيق الحق من علم الاصول، ص ۷۷۔مؤسسۃ الرسالۃ۔بیروت۔لبنان.

(۱۳) سورۃ محمد:۱۹ (۱۴) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب نمبر ۱۰۔حدیث نمبر ۱۲۷۔

(۱۵) ابن تیمیۃ، شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام (۷۲۶) الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ص ۱۷۔المکتبہ القیمہ۔مصر

(۱۶) سورۃ یوسف:۱۰۸

(۱۷) العثیمین، محمد بن صالح (۱۴۱۳)، زادالداعیۃ الی اللہ، ص ۶۔۱۰، دارالوطن۔المملکۃ العربیۃ السعودیۃ.

(۱۸) البخاری، کتاب الزکاۃ، باب اخذ الصدقة من الاغنياء وترد فی الفقراء حيث كانوا، حدیث نمبر ۱۴۹۶۔

(۱۹) فتح الباری، ص ۱۲۳، ج ۵۔ (۲۰) سورۃ النحل:۱۲۵ (۲۱) سورۃ النور:۲۷

(۲۲) البخاری، کتاب الدیات، باب من اطلع فی بیت.....، حدیث نمبر ۶۹۰۲۔ (۲۳) سورۃ الحجرات:۱۲

(۲۴) البخاری، کتاب الادب، باب (یایها الذين آمنوا جتنبوا......)، حدیث نمبر ۶۰۶۶۔

(۲۵) ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی (۲۷۵)، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی النهی عن التجس، حدیث نمبر ۴۸۸۸۔دارالکتب العلمیہ۔بیروت۔لبنان.

(۲۶) البخاری، کتاب الادب، باب ستر المؤمن علي نفسه، حدیث نمبر ۶۰۶۹۔ (۲۷) سورۃ ہود:۱۱۸۔۱۱۹

(۲۸) الغزالی، امام ابوحامد، (۵۰۵) احیاء علوم الدین، ج ۲، ص ۲۸۶، مؤسسۃ الحلبی۔القاہرۃ.

(۲۹) ابویعلی الحنبلی، محمد بن الحسن بن محمد الفراء، (۴۵۸) الاحکام السلطانیۃ، ص ۲۹۷۔دارالبیان۔المملکۃ العربیۃ السعودیہ

(۳۰) النووی، ابوزکریا یحیی بن شرف، (۶۷۶)، روضة الطالبين فی عمدة المفتيين، ج ۱۰، ص ۲۱۹، مؤسسۃ الرسالۃ۔بیروت=لبنان.

(۳۱) ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری (۲۶۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان باب کون النہی عن المنکر، حدیث نمبر ۷۸۔داراحیاء التراث العربی۔بیروت=لبنان.

(۳۲) مسلم، حدیث نمبر ۸۰۔ (۳۳) سورۃ الانبیاء:۵۷۔۵۸ (۳۴) سورۃ طہ:۹۷

(۳۵) البخاری، کتاب التفسیر باب ''وقل جاء الحق'' حدیث نمبر ۴۷۲۰۔ (۳۶) مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، ج ۳، ص ۱۶۵۵

(۳۷) بدرالدین ابوعبداللہ محمد بن علی الحنبلی (۷۷۷) مختصر الفتاوی (ابن تیمیۃ) المصریۃ، ص ۵۸۰۔دارالوطن۔المملکۃ العربیۃ السعودیۃ.

(۳۸) البخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر ۶۰۲۴۔

(۳۹) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حسن العشرۃ، حدیث نمبر ۴۷۸۸۔

(۴۰) سورۃ النحل: ۱۲۵　(۴۱) سورۃ الذاریات۔۵۵

(۴۲) ابوحاتم، محمد بن حبان البستی (۳۵۴)، روضة العقلاء و نزهة الفضلاء، ص ۱۵۸۔ دار الکتب العلمیہ۔ بیروت۔ لبنان.

(۴۳) سورۃ الانبیاء۔۶۷　(۴۴) صحیح مسلم حدیث نمبر ۸۰۔　(۴۵) ایضا حدیث نمبر ۷۸

(۴۶) ابوالفرج، زین الدین عبدالرحمٰن بن شہاب الدین ابن رجب الحنبلی (۷۹۵)، جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم، ج۱، ص ۲۴۵، دار البیان۔ المملکۃ العربیۃ السعودیہ

(۴۷) سورۃ الانعام۔۶۸　(۴۸) سورۃ النساء۔۱۴۰　(۴۹) سورۃ النحل۔۳۶

(۵۰) سورۃ الانبیاء۔۲۵　(۵۱) سورۃ الزخرف۔۴۵　(۵۲) سورۃ الاعراف۔۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵

(۵۳) سورۃ الانعام۔۱۶۱۔۱۶۲　(۵۴) البخاری، کتاب الزکاۃ، باب اخذ الصدقۃ، حدیث نمبر ۱۶۹۶۔

(۵۵) فتح الباری، ص ۳۵۹، ج ۳۔　(۵۶) سورۃ البقرۃ۔۲۱۹　(۵۷) سورۃ الانعام۔۱۰۸

(۵۸) البخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر ۱۲۶۔　(۵۹) فتح الباری، ج۱، ص ۲۲۵،

(۶۰) البخاری، کتاب العلم، باب ما کان النبی یتخولنا بالموعظة.....، حدیث نمبر ۶۸۔　(۶۱) فتح الباری، ج۱، ص ۱۱۰،

(۶۲) ابن قیم، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر الجوزیۃ (۷۵۱) اعلام الموقعین عن رب العالمین، ج ۳، ص ۴، دار الجیل۔ بیروت۔ لبنان۔